بچے اور اسلام

مولانا سیّد جلال الدین عمری

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

انسان کا چھوٹا سا بچہ قدرت کا عجیب کرشمہ ہے۔ اس کی بھولی بھالی شخصیت میں کتنی کشش اور جاذبیت ہوتی ہے۔ اس کی معصوم ادائیں، اس کی مسکراہٹ، اس کی دل چسپ اور ٹوٹی پھوٹی باتیں، اس کی شوخیاں اور شرارتیں، اس کا کھیل کود، غرض اس کی کون سی ادا ہے، جو دل کو لبھاتی اور کیف و سرور سے نہ بھر دیتی ہو۔ پھر ایک دوسرے پہلو سے دیکھئے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ قدرت نے کس بچہ میں کتنی اور کس قسم کی صلاحیتیں رکھ دی ہیں اور وہ آگے چل کر کیا خدمات یا کارنامے انجام دینے والا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ آج کے ان معصوموں میں کوئی کسان اور تاجر ہو، کوئی انجینئر اور صنعت کار ہو، کوئی صحافی اور مصنف ہو، کوئی مدرّس اور مقنّن ہو، کوئی سائنس داں اور فلسفی ہو، اور کوئی ماہرِ سیاست اور مدبر و منتظم ہو۔ ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ خاندان، قبیلہ، قوم، ملک اور نوع انسانی کو ان میں سے کس کے ذریعے کتنا بڑا فائدہ پہنچے گا۔

اتنی بڑی صلاحیتیں جس بچہ کے اندر چھپی ہوئی ہیں وہ اپنی پیدائش کے وقت سب سے زیادہ کم زور اور بے بس ہوتا ہے۔ وہ اپنی نشو ونما اور پرورش کے لیے جتنی توجہ، شفقت اور محنت کا طالب ہے، کسی بھی جان دار کا بچہ اتنی توجہ اور محنت نہیں چاہتا۔ ذرا سی بے احتیاطی سے اس کی زندگی ہی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ اس کی ذہنی، فکری اور اخلاقی تربیت تو اس سے بھی زیادہ پیچیدہ اور مشکل کام ہے۔ اس معاملہ میں غلطی یا کوتاہی اسے بالکل غلط رخ پر لے جاسکتی ہے اور اس کا وجود پورے سماج کے لیے عذاب بن سکتا ہے۔ لیکن اگر صحیح نہج پر اس کی تربیت ہوسکے تو وہ سماج کو امن، چین اور سکون سے بھی ہم کنار کرسکتا ہے۔

پورے معاشرہ کے لیے انسان کے ایک ایک بچہ کی بڑی اہمیت ہے۔ وہ ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، ان کے لیے سکون و راحت کا باعث اور ان کی تمناؤں کا مرکز ہوتا ہے۔ بڑھاپے میں وہ اسے اپنا سب سے بڑا سہارا تصور کرتے ہیں۔ خاندان اور قبیلہ کی بے شمار توقعات اس سے وابستہ ہوتی ہیں۔ قوم و ملک کا وہ قیمتی سرمایہ ہوتا ہے۔ اس لیے ان میں سے ہر ایک کی اخلاقی اور قانونی ذمے داری ہے کہ اس کی جسمانی نشوونما اور اخلاقی تربیت کی فکر کریں اور اسے مرض، کم زوری، جہالت اور غلط روی سے بچائیں۔

بچوں کے حقوق کی طرف مغرب کی توجہ ہوئی تو اس میں شک نہیں کہ اس نے مختلف اقدامات کیے۔ یونائیٹڈ نیشنز جنرل اسمبلی (United Nations General Assembly) نے ۱۹۵۴ء میں بچوں کا دن منانے کا اعلان کیا۔ ۱۹۵۹ء میں بچوں کے حقوق کا منشور (Declaration of the Rights of the Child) منظور ہوا۔ بچوں کی غذا، تعلیم، صحت و تندرستی جیسے امور کی طرف توجہ دلانے کے لیے ۱۹۷۹ء کو بچوں کا سال منانے کا اعلان ہوا۔ یہ رسالہ اسی مناسبت سے اس وقت لکھا گیا تا کہ اسلامی تعلیمات بھی سامنے آسکیں۔

مغرب ہر اچھے کام کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ بچوں کے حقوق کے سلسلے کی کوشش کو بھی وہ اپنا کارنامہ سمجھتا ہے۔ حالاں کہ بہت پہلے سے بچوں کے سلسلے میں اسلام کی بڑی جامع اور ہمہ پہلو تعلیمات موجود ہیں۔ اس موضوع پر اس عاجز کے مفصل مضامین رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس رسالہ میں ایک گونہ ان ہی کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ اب تک کئی مرتبہ چھپ چکا ہے۔ اس کا ہندی اور تلگو ترجمہ کافی پہلے سے شائع ہو رہا ہے۔ اب کی بار میں نے ایک نظر ڈال کر اسے مزید بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔ حوالوں کو بھی چیک کرلیا گیا ہے۔ خوشی ہے کہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز اسے اچھے معیار سے شائع کر رہا ہے۔

جلال الدین عمری

یکم مارچ ۲۰۱۲

اسلامی تعلیمات

اسلام نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں جس طرح ہماری بہترین راہ نمائی کی ہے، اسی طرح بچوں سے متعلق اس کی ہدایات ہر پہلو سے مکمل اور ان تمام خرابیوں سے پاک ہیں، جو بالعموم کسی بھی انسانی فکر میں پائی جاتی ہیں۔ یہاں اس کی یہ تعلیمات بہت ہی اختصار کے ساتھ پیش کی جا رہی ہیں۔

۱۔ قتلِ اولاد کی ممانعت

انسان نے اپنی تاریخ میں جن بھیانک جرائم کا ارتکاب کیا ہے، ان میں ایک قتلِ اولاد بھی ہے۔ اس نے اپنی نادانی، جہالت، توہم پرستی، غلط رسم و رواج اور ناپاک جذبات کے تحت اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی اولاد کا خون بہایا ہے۔ اس سنگ دلی اور شقاوت کا ایک بڑا سبب افلاس اور غربت کا ڈر بھی رہا ہے۔ اس نے یہ سوچ کر کہ اس کی آمدنی میں اس کی اولاد بھی شریک ہوجائے گی، کھانے والے منہ کمانے والے ہاتھ سے زیادہ ہوجائیں گے اور اس کی ضروریات پوری نہ ہوسکیں گی، بڑی بے دردی سے اپنے ہی جگر گوشوں پر چھری پھیر دی۔ اسلام سے پہلے عرب کے بعض قبائل میں بھی اس کا رواج تھا۔ اسلام نے اس کی سخت مذمت کی اور اس بے رحمی اور سنگ دلی کو ایک سنگین جرم قرار دیا۔ اس نے کہا: روئے زمین پر جو بھی انسان پیدا ہوتا ہے خدا کے حکم سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ سوچنا خدا کی رزاقی پر بہت بڑی بے اعتمادی ہے کہ جس بچہ کو اس

نے پیدا کیا وہ اسے بھوکوں مرنے دے گا۔ اس کے ہاتھ میں زمین و آسمان کے خزانے ہیں، وہ تمھیں بھی کھلائے گا اور تمھارے بچوں کو بھی۔ فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل:۳۱)

غربت کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمھیں بھی۔ بے شک ان کا قتل بڑی غلطی ہے۔

لڑکوں سے تو پھر بھی مستقبل کی توقعات وابستہ تھیں کہ معاشی جدوجہد میں آگے چل کر ساتھ دیں گے، دشمن کا دفاع کریں گے اور خاندان اور قبیلہ کی قوت و طاقت میں اضافہ کا سبب ہوں گے، لیکن لڑکیوں کا وجود سراسر باعثِ ننگ تھا۔ وہ معاشی لحاظ سے بھی بوجھ تھیں اور ان کی حفاظت اور دفاع بھی کرنا پڑتا تھا، اس لیے ان کے قتل کا زیادہ رواج تھا۔ اسلام نے خصوصیت سے اس پر تنقید کی۔ فرمایا: کل قیامت کے روز خدائے تعالیٰ اس معصوم بچی سے پوچھے گا کہ آخر اس نے وہ کون سا جرم کیا تھا کہ اسے خود اس کے ماں باپ نے زندہ درگور کر دیا۔ جب وہ اپنی مظلومی اور بے بسی کی فریاد کرے گی تو ظالموں کو خدا کے عذاب سے کوئی طاقت بچا نہ سکے گی۔ ارشاد ہے:

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ (التکویر:۸،۹)

اور جب اس بچی سے، جسے زندہ درگور کیا گیا تھا، پوچھا جائے گا کہ اسے کس گناہ (کی پاداش) میں مارا گیا؟

رسول اکرم ﷺ نے خدا کی طرف سے اس مذموم حرکت کے حرام اور ممنوع ہونے کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ ... وَوَاْدَ الْبَنَاتِ[1]

بے شک اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے تم پر ماؤں کی نافرمانی کرنا... اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا۔

دیوی دیوتاؤں کے نام پر اولاد کو بھینٹ چڑھانے کا بھی مختلف مذاہب میں

---

[1] بخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین من الکبائر

رواج رہا ہے، حالاں کہ مذہب کے نام پر اس قتلِ ناروا کا ارتکاب خود مذہب کی توہین ہے۔ خدا نے اس کا کہیں حکم نہیں دیا ہے کہ اس کی رضا جوئی کے لیے معصوم جانوں کا خون بہایا جائے۔ اسلام نے اس طرح کی مذہبیت کی کوئی گنجائش ہی نہیں رکھی۔ ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ میں نے یہ نذر مانی ہے کہ اپنے بچہ کی قربانی کروں۔ انھوں نے بچہ کو ذبح کرنے سے منع فرمایا اور کہا: جاؤ اپنی نذر کا کفارہ ادا کرو۔[1]

۲- والدین کے صحیح جذبات کی رعایت

اسلام نے ایک طرف تو بچوں کو خود ان کے ماں باپ کی طرف سے ہونے والے ظلم سے بچایا اور دوسری طرف بچوں کے بارے میں والدین کے صحیح اور فطری جذبات کی رعایت بھی کی۔ ان کی پیدائش پر خوشی منانے کا شستہ اور شائستہ طریقہ سکھایا اور ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے سلسلے میں بہت ہی جامع اور مکمل ہدایات دیں۔

۳- نومولود کے کان میں اذان دی جائے

اسلام ایک خاص قسم کی تہذیب اور معاشرت وجود میں لاتا ہے، کچھ خاص آداب و اطوار کی تعلیم دیتا ہے اور پورے ماحول کو ایک خاص رنگ عطا کرتا ہے۔ اس کا اہتمام وہ اسی وقت سے کرتا ہے، جب بچہ اس دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ چناں چہ اس نے اس بات کی تعلیم دی کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان دی جائے۔ حضرت ابو رافعؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے حضرت حسنؓ پیدا ہوئے تو آپؐ نے ان کے کان میں اذان دی۔[2]

اس وقت اذان دینے کے بہت سے مقاصد ہیں۔ اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ خوشی کے موقعے پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اور اس کی بڑائی بیان کی جائے۔ دوسرا مقصد

---

[1] مؤطا، کتاب النذور والایمان، باب مالاَ یجوز من النذور

[2] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الصبی یولد فیؤذن فی اذنہ۔ ترمذی، کتاب الاَضاحی، باب الاُذان فی اذن المولود

یہ ہے کہ اللہ کے ذکر کے ذریعے ماحول کو شیطان کے اثرات سے پاک کیا جائے۔ تیسرا مقصد یہ ہے کہ اس طرح اس بات کا اعلان کیا جائے کہ بچہ کے ماں باپ بھی مومن و مسلم اور خدا کے فرماں بردار ہیں اور بچہ کو بھی وہ خدا کا مطیع و فرماں بردار دیکھنا چاہتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ بچہ کے کان میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی، رسول کی رسالت اور انسان کے بندہ ہونے کی آواز پہنچے۔ کیا عجب کہ یہ آواز غیر شعوری طور پر بچہ کے دل و دماغ پر اثر انداز بھی ہوتی ہو۔

۴- تحنیک کرائی جائے

اس موقع پر کسی نیک اور صالح انسان کے ذریعے تحنیک کرانا بھی سنت ہے۔ تحنیک کا مطلب ہے چھوارا چبا کر اس کا لعاب یا شہد وغیرہ کوئی میٹھی چیز بچہ کو چٹائی جائے، تاکہ بچہ کے پیٹ میں پہلی جو غذا پہنچے وہ کسی خدا ترس اور متقی انسان کے ہاتھ سے پہنچے اور اس کی دعائیں اسے حاصل ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بچوں کو لایا جاتا تھا۔ آپؐ ان کے لیے برکت کی دعا کرتے اور تحنیک فرماتے۔[۱]

۵- اچھا نام رکھا جائے

حکم ہے کہ بچہ کا اچھا سا نام رکھا جائے، تاکہ اس کا بہتر تعارف ہو۔ بے ڈھنگے، خلاف عقیدہ یا بے معنی نام رکھنا پسندیدہ نہیں ہے۔ حضرت ابو درداءؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّکُمْ تُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِاَسْمَآئِکُمْ وَ اَسْمَآءِ آبَآئِکُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَآئَکُمْ.[۲]

قیامت کے روز تمھیں تمھارے ناموں سے اور تمھارے باپوں کے ناموں سے بلایا جائے گا، لہٰذا اپنے (اور اپنی اولاد وغیرہ کے) اچھے نام رکھو۔

---

۱ مسلم، کتاب الادب، باب استحباب تحنیک المولود

۲ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی تغییر الاسماء

اس سلسلے میں بعض متعین رہ نمائیاں بھی کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ پیغمبروں اور خدا کے نیک بندوں کے نام پر نام رکھنے چاہئیں۔ سب سے اچھے نام وہ ہیں، جن سے بندگی اور عبدیت کا اظہار ہو، ایسے نام بھی رکھے جاسکتے ہیں، جن سے پیشہ اور محنت کا اظہار ہو۔ ابو وہب جشمیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تَسَمُّوْا بِاَسْمَآءِ الْاَنْبِيَاءِ وَ اَحَبُّ الْاَسْمَاءِ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَ اَصْدَقُهَا حَارِثٌ وَ هَمَّامٌ وَ اَقْبَحُهَا حَرْبٌ وَّمُرَّةٌ۔[1]

پیغمبروں کے نام پر نام رکھو، اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہیں اور سب سے زیادہ سچے اور واقعہ کے مطابق نام حارث (کسان) ہمام (ارادے والا) ہے۔ سب سے برے نام حرب (جنگ) مرّہ (تلخ) ہیں۔

۶- عقیقہ کیا جائے

اولاد ایک نعمت ہے، اس کی پیدائش پر والدین کو فطری طور پر خوشی ہوتی ہے۔ اس موقعے پر خدا کے نام پر جانور ذبح کرنا اسلامی سنت ہے۔ اسی کو اصطلاح میں عقیقہ کہا جاتا ہے۔ یہ اولاد کے عطا ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ہے اور خوشی کا اظہار بھی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيْقَتِهٖ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهٖ وَ يُحْلَقُ رَأْسُهٗ۔[2]

بچہ اپنے عقیقہ کی وجہ سے رہن رہتا ہے (اس لیے) ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کے بال اتروائے جائیں۔

عقیقہ کے گوشت سے خود بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے، عزیزوں اور دوستوں کو بھی کھلایا جاتا ہے اور غریبوں اور مسکینوں میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ خوشی کے مواقع پر اسلام چاہتا ہے کہ مسکینوں اور حاجت مندوں کی زیادہ سے زیادہ مدد ہو۔ چناں چہ اس موقعے پر بھی یہ بات مستحب اور پسندیدہ سمجھی گئی ہے کہ بچہ کے سر کے بال اتار کر ان کے وزن

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی تغیر الاسماء

[2] ترمذی، ابواب الاضاحی، باب من العقیقة

کے برابر چاندی غریبوں میں تقسیم کی جائے۔ حضرت حسنؓ کی ولادت پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا:

اِحْلِقِيْ رَأْسَهٗ وَ تَصَدَّقِيْ بِزِنَةِ شَعْرِهٖ فِضَّةً۔[۱]

اس کا سر منڈوادو اور اس کے بال کے وزن کے برابر چاندی خیرات کردو۔

۷- بچوں کی پرورش

انسان کی یہ قانونی اور اخلاقی ذمے داری ہے کہ وہ اپنے بیوی بچوں کے اخراجات برداشت کرے اور ان کی غذا، لباس، مکان، علاج اور دوسری ضروریات پوری کرے۔ اسلام کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ انسان اپنی معاشی ذمے داریوں کو محسوس نہ کرے، اپنے متعلقین کے نان نفقہ سے غفلت برتے اور انھیں اس حال میں چھوڑ دے کہ وہ غربت اور فاقہ کشی سے تباہ و برباد ہوجائیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

كَفٰى بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ يُّضِيِّعَ مَنْ يَقُوْتُ[۲]

انسان (کی بربادی) کے لیے یہ گناہ کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ضائع کردے، جن کے اخراجات کا وہ ذمے دار ہے۔

لڑکوں کی پرورش انسان جس خوش دلی سے کرتا ہے اتنی خوش دلی سے لڑکیوں کی پرورش بالعموم نہیں کرتا۔ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ لڑکیوں کی پرورش زیادہ کارِ ثواب اور آخرت کی کامیابی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ شَيْئًا فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ[۳]

اللہ تعالیٰ جس شخص کو ان لڑکیوں کے ذریعے تھوڑا بہت بھی آزمائش میں ڈالے اور وہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کرے تو وہ اس کے لیے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔

۱۔ ترمذی، ابواب الاَضاحی، باب العقیقة بشاة

۲۔ ابوداؤد، کتاب الزکوٰة، باب فی صلة الرحم

۳۔ بخاری، کتاب الزکوٰة، باب اتقوا النار و لو بشق تمرة۔ مسلم کتاب البر والصلة، باب فضل الاِحسان الی البنات.

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے لڑکیوں کی پرورش کی آخرت میں اسے میری معیت اور رفاقت حاصل ہوگی۔ ارشاد ہے:

مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَا وَهُوَ هٰكَذَا وَ ضَمَّ اَصَابِعَهُ۔[1]

جو شخص دو بچیوں کی (بھی) ان کے جوانی کو پہنچنے تک پرورش کرے گا قیامت کے روز میں وہ اسی طرح (ایک ساتھ) آئیں گے۔ یہ فرما کر آپؐ نے انگشت ہائے مبارک کو ملا کر دکھایا۔

۸- بچوں سے پیار

اولاد سے محبت فطری ہے، لیکن بعض لوگ اس قدر درشت طبع اور سخت مزاج ہوتے ہیں کہ بچوں کو پیار نہیں کرتے۔ بعض لوگ بچوں کے ساتھ ہنسی مذاق اور پیار و محبت کو تہذیب کے خلاف اور تربیت کے نقطۂ نظر سے صحیح نہیں سمجھتے۔ اسی طرح بعض لوگ اسے اپنی شان اور بڑائی کے منافی خیال کرتے ہیں کہ بچوں کے ساتھ بے تکلفی برتی جائے۔ یہ سارے احساسات بے بنیاد اور غلط ہیں۔ یہ انسان کی سنگ دلی کو ظاہر کرتے ہیں اور تربیت کے پہلو سے بھی مفید نہیں ہیں۔ اسلام نے اس رویہ کو بالکل ناپسند کیا ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ کو پیار کیا تو اقرع بن حابس نے، جو وہاں موجود تھے، کہا کہ میرے دس بچے ہیں، لیکن میں نے کبھی ان میں سے کسی کو پیار نہیں کیا۔ آپؐ نے بہت تعجب سے ان کو دیکھا اور فرمایا: ''جو انسان پر رحم نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ بھی رحم نہیں فرماتا۔''[2]

ماں باپ کی طرف سے لڑکیوں کو بالعموم محبت بھی کم ملتی ہے۔ لیکن رسولِ اکرمؐ اپنی صاحب زادیوں سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ سے تو آپؐ کو غیر معمولی محبت تھی۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ کس سے محبت فرماتے تھے؟ جواب دیا: فاطمہؓ سے[3]

---

[1] مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الاحسان الی البنات

[2] بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الولد وتقبیله

[3] ترمذی، کتاب المناقب، باب فضل فاطمة بنت محمد

ایک اور موقع پر حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضرت فاطمہؓ تشریف لاتیں تو رسول اللہ ﷺ (محبت سے) کھڑے ہوجاتے، ان کو لینے کے لیے آگے بڑھتے، ان کا ہاتھ پکڑ لیتے، اسے بوسہ دیتے اور ان کو اپنی نشست پر بٹھاتے۔ یہی حال حضرت فاطمہؓ کا تھا کہ جب آپؐ ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ کھڑی ہوجاتیں، آپؐ کے استقبال کے لیے آگے بڑھتیں، دست مبارک تھام لیتیں، اسے بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ بٹھاتیں[۱]

۹- یکساں سلوک کیا جائے

کھلانے پلانے اور لین دین میں بچوں کے ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہیے۔ ایک بچے اور دوسرے بچے کے درمیان فرق کرنا سخت ناپسندیدہ ہے۔ اس سے ان کے درمیان باہم بغض وحسد اور نفرت وعداوت پیدا ہوتی ہے اور ماں باپ کے سلسلے میں غلط جذبات پرورش پاتے ہیں۔ حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ[۲] اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے ساتھ برابر کا سلوک کرو۔

اولاد میں بھی لڑکیوں کے مقابلہ میں لڑکوں کے ساتھ ترجیحی سلوک کرنا کم ظرفی اور ذلت کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو جنت کی خوش خبری دی ہے، جو لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک نظر سے دیکھے اور ان کے درمیان مساوات برتے۔ آپؐ نے فرمایا:

مَنْ كَانَتْ لَهٗ اُنْثٰى فَلَمْ يَئِدْهَا وَ لَمْ يُهِنْهَا وَ لَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهٗ عَلَيْهَا يَعْنِى الذُّكُوْرَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ[۳]

جس شخص کے لڑکی ہو وہ اسے نہ تو زندہ درگور کرے، نہ اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرے اور نہ اس پر اپنے لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

---

[۱] ابوداؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی القیام

[۲] بخاری، کتاب الھبة، باب الاشھاد فی الھبة۔ مسلم کتاب الھبات، باب کراھیة تفضیل بعض الاولاد فی الھبة

[۳] ابوداؤد، کتاب الأدب، باب فی فضل من عال یتیماً

۱۰- تعلیم و تربیت

اسلام جہالت اور ناخواندگی کو ناپسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ علم کی روشنی چاروں طرف پھیلے۔ چناں چہ اس نے سیکھنے اور سکھانے کی بڑی فضیلت بیان کی ہے اور ہر مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ دین کی بنیادی باتوں کا علم حاصل کرے۔ حدیثوں میں بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی ہے۔ ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ ماں باپ کی طرف سے اولاد کو بہترین تحفہ یہ ہے کہ وہ انھیں عمدہ تعلیم دے اور اچھے اخلاق و عادات سکھائے۔ رسولِ خدا ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ[۱]

کسی باپ نے اپنے بچہ کو اچھے ادب سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دیا۔

لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کی کوئی اہمیت نہیں محسوس کی جاتی تھی اور اس معاملہ میں بہت زیادہ غفلت برتی جاتی تھی۔ اسلام نے اس کی اہمیت واضح کی، اسے بڑا کارِ ثواب بتایا اور اس پر جنت کی خوش خبری سنائی۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَالَ ثَلاَثَ بَنَاتٍ فَاَدَّبَهُنَّ وَ زَوَّجَهُنَّ وَ اَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ[۲]

جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، ان کو ادب و اخلاق سکھایا، ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔

اسلام اس سے منع نہیں کرتا کہ انسان بچوں سے محبت کرے، البتہ وہ اس کی تاکید کرتا ہے کہ یہ محبت اور تعلق اپنے حدود سے تجاوز نہ کرے۔ اسی طرح ایک طرف اس نے بچوں کی پرورش، نگہ داشت اور تعلیم و تربیت کی ذمے داری ڈالی ہے اور دوسری طرف اس سے آگاہ کیا ہے کہ اولاد کی خاطر دین و اخلاق کو بھول جانا اور حلال و حرام کی تمیز کے بغیر ان کی خواہشات کی تکمیل میں لگ جانا اپنی تباہی اور بربادی کو دعوت دینا ہے۔

---

۱ ترمذی، ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی ادب الوالد

۲ ابوداؤد، کتاب الادب، باب من عال یتامیٰ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِكُمۡ اَمۡوَالُكُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ‌ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ○ (المنٰفقون:۹)

اے ایمان والو، تمھارے مال اور تمھاری اولاد تمھیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کردے اور جو لوگ اس طرح غافل ہوجائیں وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

۱۱- یتیموں کی سرپرستی

جن بچوں کے سر سے ان کے والدین کا سہارا ختم ہو جاتا ہے، صحیح طریقہ سے نہ تو ان کی مادّی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور نہ ان کی تعلیم و تربیت ہی کا معقول انتظام ہو پاتا ہے۔ اس وجہ سے بالعموم وہ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ان کے غلط راہوں پر پڑ جانے کا بھی سخت اندیشہ رہتا ہے۔ اس طرح کے بچوں کی ذمے داری اسلام نے ان کے وارثوں پر ڈالی ہے۔ چناں چہ قرآن میں ہے:

وَعَلَى الۡوَارِثِ مِثۡلُ ذٰلِكَ‌ۚ (البقرۃ:۲۳۳)

اور وارث پر بھی اسی طرح کی ذمہ داری ہے (جس طرح باپ پر تھی)۔

یتیم کے پاس جائداد یا مال و دولت ہو تو اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت اسی کے مال سے ہوسکتی ہے، لیکن اس کے مال کی حفاظت اور ترقی کی بھی کوشش کی جائے گی۔ جو شخص اس سلسلے میں اپنا وقت اور محنت صرف کرے وہ غریب اور محتاج ہے، تو اسلام نے کہا کہ دستور کے مطابق وہ اپنا معاوضہ لے سکتا ہے، لیکن جو صاحب حیثیت ہو اسے اس سے احتیاط ہی کرنی چاہیے۔ فرمایا:

وَمَنۡ كَانَ غَنِيًّا فَلۡيَسۡتَعۡفِفۡ‌ۚ وَمَنۡ كَانَ فَقِيۡرًا فَلۡيَاۡكُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ‌ؕ (النساء:٦)

یتیم کا سرپرست اگر مال دار ہو تو اس کے مال سے بچے، البتہ وہ محتاج ہو تو معروف طریقہ سے اس میں سے کھا سکتا ہے۔

اگر یتیم محتاج ہے اور اس کا وارث بھی اس کی دیکھ بھال اور نگہ داشت کی پوزیشن میں نہیں ہے تو اسلام نے پورے معاشرے کو ترغیب دی ہے کہ وہ آگے بڑھے

اور اس کی خدمت کی سعادت حاصل کرے۔ احادیث میں یتیموں کی سرپرستی، پرورش اور نگہ داشت کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ یہاں صرف ایک حدیث پیش کی جا رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ اَوْ لِغَيْرِهٖ اَنَا وَ هُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ[۱]

یتیم کی کفالت کرنے والا، چاہے وہ اس کا ہو یا کسی دوسرے کا، اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے۔ (یہ کہہ کر آپؐ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا)۔

اس سلسلہ کی خاص بات یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ داخل ہے کہ وہ یتیموں کی ضروریات پوری کرے اور انھیں بے یار و مددگار نہ چھوڑے۔ اس لیے معاشرہ اپنی اخلاقی ذمے داری محسوس نہ کرے تو ریاست انہیں اپنی حفاظت میں لے گی اور ان کی کفالت کا بوجھ اٹھائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے سربراہِ ریاست کی حیثیت میں فرمایا:

مَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضِيَاعًا فَلْيَاْتِنِي فَاَنَا مَوْلَاهُ[۲]

جو شخص قرض یا چھوٹے بچے چھوڑ کر انتقال کر جائے (اور ان کی پرورش کا انتظام نہ ہو) تو میرے پاس آئے۔ میں اس کا والی اور سرپرست ہوں۔

۱۲- لاوارث بچوں کی کفالت

لاوارث بچوں کا مسئلہ بڑا ہی نازک ہوتا ہے۔ ان کے ماں باپ کا پتہ نہیں چلتا، اس لیے کسی پر ان کی قانونی ذمے داری نہیں ڈالی جاسکتی۔ معاشرہ بھی انھیں آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ اسلامی حکومت اس طرح کے لاوارث بچوں کی کفالت کی ذمہ داری لیتی ہے۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ایک شخص نے ایک بچہ کو کہیں پڑا ہوا پایا۔ وہ اسے لے کر ان کے پاس پہنچا۔ حضرت عمرؓ کو بتایا گیا کہ آدمی نیک اور قابلِ اعتماد ہے تو انھوں نے اس سے کہا کہ تم اس کی دیکھ بھال کرو، اس کا خرچ ہم برداشت کریں گے۔[۳]

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو کہیں کوئی بچہ پڑا ہوا ملے تو اسے اٹھا لینا

۱۔ مسلم، کتاب الزهد، باب الاحسان الى الارملة والمسكين واليتيم

۲۔ بخاری، کتاب فی الاستقراض، باب الصلوٰة علی من ترک دینا

۳۔ موطا، کتاب الاقضية، باب القضاء فی المنبوذ

مندوب اور مستحسن ہے۔ وہیں چھوڑ دینے سے اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تب تو بالکل واجب ہے[۱]

بچوں سے متعلق اسلام کی تعلیمات کے اس مختصر سے تعارف سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اسلام بچہ کی حفاظت، پرورش، نگہ داشت اور تعلیم و تربیت کی ذمے داری میں والدین، اہلِ خاندان، معاشرہ اور حکومت کو شریک کرتا ہے اور بالترتیب ان سب کو اس ذمے داری کے اٹھانے پر مجبور کرتا ہے۔ اس پر ٹھیک عمل ہو تو نہ صرف یہ کہ کوئی بچہ ضائع نہیں ہوگا، بلکہ اس کی مادّی اور اخلاقی ضروریات بھی آسانی سے پوری ہوں گی، اس کی صحت مند نشو ونما بھی ہوگی اور وہ ایک خدا ترس اور بااخلاق انسان، مثالی شہری اور نوعِ انسانی کا بہترین خادم بن کر ابھرے گا۔
